عورت کی سربراہی کی شرعی حیثیت

مفتی اعظم پاکستان محمد رفیع عثمانی صاحب

قرآن وسنت کے واضح ارشادات کی بناء پر یہ بات چودہ سوسال سے فقہاء امت میں مسلمہ اور غیر متنازعہ چلی آئی ہے کہ کسی اسلامی حکومت میں سربراہی کے منصب کی ذمہ داریاں کسی خاتون کو سونپی نہیں جاسکتیں۔ علامہ ابن حزمؒ نے مراتب الاجماع کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان مسائل کو جمع فرمایا ہے جن پر امت کا اجماع واتفاق رہا ہے اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں: اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کا منصب کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

اس اجماع کی بنیاد قرآن وسنت کے بہت سے دلائل پر ہے جنہیں ہم صراحتاً ترتیب سے ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ صحیح بخاری وغیرہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد متعدد صحیح سندوں سے مروی ہے: ''وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے سپرد کردے''۔

اسی حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب ایران کے باشندوں نے ایک عورت کو اپنا سربراہ بنالیا تھا لہذا یہ حدیث عورت کو سربراہ بنانے کے عدم جواز پر واضح دلیل ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے امراء تم میں بہترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند لوگ تم میں سے سخی لوگ ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے اور جب تمہارے امراء تم میں بدترین لوگ ہوں تمہارے دولت مند لوگ تم میں سے بخیل لوگ ہوں اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہوجائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہوگا۔ یہ حدیث بھی اس قدر واضح ہے کہ اس کی کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

۳۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک لشکر کہیں بھیجا تھا وہاں سے کوئی شخص فتح کی خوشخبری لے کر آیا آپ ﷺ فتح کی خوشخبری سن کر سجدے میں گر گئے اور سجدے کے بعد پیغام لانے والے سے تفصیلات فرمانے لگے اس نے تفصیلات بیان کیں۔ ان تفصیلات میں اس نے دشمن کے بارے میں یہ بھی بتایا کہ ان کی سربراہی ایک عورت کررہی تھی، آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ''جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ وبرباد ہیں''

اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور حافظ ذھبیؒ نے بھی اس صحیح کہا ہے۔

۴۔قرآن کریم کا ارشاد ہے!
مردعورتوں پر قوام ہیں بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے۔
اس آیت میں اللہ تعالی نے واضح طور پر قوامیت کا مقام مرد کو دیا ہے اگر چہ براہ راست یہ آیت خانگی امور سے متعلق معلوم ہوتی ہے ۔لیکن اول تو آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس کو خانگی امور کے ساتھ خاص کرتا ہو دوسرے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس صنف کو اللہ تعالی نے ایک چھوٹے سے گھر کی سربراہی کی ذمہ داری نہیں سونپی ۔اس کو تمام گھروں کے مجموعے اور پورے ملک کی سربراہی کی ذمہ داری کیسے سونپی جاسکتی ہے؟لہذا یہ آیت اگر عبارۃ النص کے طور پر نہیں تو دلالۃ النص کے طور پر یقیناً اس بات دلالت کرتی ہے کہ عورت کو کسی اسلامی ملک کا سربراہ نہیں بنایا جاسکتا۔

۵۔سورۃ احزاب میں اللہ تعالی نے عورت کا دائرۂ عمل واضح طور پر بیان فرمایا ہے ارشاد ہے: ''اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو اور پچھلی جاہلیت کی طرح بن سنور کر باہر نہ جاؤ''۔
اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی اصل ذمہ داری اس کے گھر کی ذمہ داری ہے اسے باہر کی جدوجہد سے یکسو ہو کر اپنے گھر کی اصلاح اور اپنے گھرانے کی تربیت کا فریضہ انجام دینا چاہئے جو درحقیقت پوری قوم اور معاشرے کی بنیاد ہے۔لہذا گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری (استثنائی حالات کو چھوڑ کر) بحثیت اصول کسی عورت پر نہیں سونپی جاسکتی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ خطاب خاص طور سے آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کیلئے ہوا تھا، ہر عورت اس کی مخاطب نہیں ہے ۔لیکن یہ بات اس قدر بدیہی طور پر غلط ہے کہ اس کی تردید کیلئے کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں۔اول تو قرآن کریم نے اس جگہ ازواج مطہرات کو خطاب فرماتے ہوئے بہت سی باتوں کی تاکید فرمائی ہے مثلا یہ کہ وہ تقوی اختیار کریں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، فحش باتوں سے بچیں وغیرہ وغیرہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی ہوشمند یہ کہہ سکے کہ یہ حکم صرف ازواج مطہرات کیلئے ہے کسی دوسری عورت کے لئے نہیں ہے جب یہ سارے احکام تمام عورتوں کے لئے ہیں گھر میں قرار سے رہنے کا یہ ایک حکم ہی ازواج مطہرات کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟

دوسرے اس بات میں کون مسلمان شک کرسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کے لحاظ سے امت کی افضل ترین خواتین تھیں اور پوری امت کی مائیں تھیں اگر اسلام میں سیاست وحکومت اور معیشت واقتصاد کی ذمہ داری کسی خاتون

کو سونپنا جائز ہوتا تو ان مقدس خواتین سے زیادہ کوئی خاتون اس ذمہ داری کیلئے مناسب نہیں ہوسکتی تھی۔ جب قرآن قرآن کریم نے ان کو ایسی ذمہ داریاں لینے سے منع کر کے انہیں صرف گھر کی حد تک محدود رہنے کا حکم دیا تو پھر کون عورت ایسی ہوسکتی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ جس وجہ سے ازواج مطہرات کو گھر میں قرار سے رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ وجہ اس میں موجود نہیں ہے۔

۶۔سورۃ احزاب میں قرآن کریم نے عورت کو جو دائرہ کار بیان فرمایا ہے اسی کی تشریح سرکار دو عالم ﷺ نے ایک حدیث میں اس طرح فرمائی ہے: ''اورعورت اپنے شوہر کے گھر والوں اوراس کی اولاد پرنگراں ہے اور وہی اس کی ذمہ دار ہے''۔اس حدیث میں واضح طور پر بتادیا گیا ہے کہ عورت کی ذمہ داری گھر کے نظام کی دیکھ بھال اولاد کی تربیت اور خانگی امور کا انتظام ہے اس کو گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری نہیں سونپی گئی۔

۷۔اسلام میں حکومت کی سربراہی اور نماز کی امامت دونوں اس درجہ لازم وملزوم ہیں کہ حکومت کی سربراہی کو بھی شریعت کی اصطلاح میں امامت ہی کہا جاتا ہے اور امام کا لفظ جس طرح نماز پڑھانے والے کیلئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح سربراہ حکومت کو بھی امام کہا جاتا ہے۔قرآن وحدیث میں بہت سے مقامات پر سربراہ حکومت کو اسی لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور فقہاء کرامؒ امامت کے دونوں معنی میں اس طرح فرق کرتے ہیں کہ نماز کی امامت کو امامت صغری چھوٹی امامت اور حکومت کی سربراہی کو امامت کبری بڑی امامت کہتے ہیں۔

ادھر یہ بات طے شدہ ہے اوراس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کرسکتی، جب اللہ تعالی نے اس کو چھوٹے درجے کی امامت کی ذمہ داری نہیں سونپی تو بڑے درجے کی امامت اس کو کیسے سونپی جاسکتی ہے؟
اسلام میں نماز کا حکومت کی سربراہی سے کس قدر گہرا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ چند مندرجہ ذیل امور سے لگایا جاسکتا ہے

(الف): ''زمین کے کسی حصے پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمان حکمران کا سب سے پہلا فریضہ اقامت صلوۃ کو قرار دیا گیا ہے ارشاد ہے کہ: وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں''۔

(ب): ''آنحضرت ﷺ سے لے کر خلفائے راشدین تک بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک یہ متواتر عمل جاری رہا ہے کہ جس مجمع میں

سربراہ حکومت موجود ہو اس میں نماز کی امامت وہی کرتا تھا چنانچہ تمام مکاتب فکر کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ نماز کی امامت سب سے پہلا حق مسلمان سربراہ حکومت کو پہنچتا ہے اور جب آنحضرت ﷺ مرض وفات کی وجہ سے مسجد میں آنے سے معذور ہو گئے تو آپ ﷺ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ نماز کی امامت کیلئے مقرر فرمایا اور اس سے صحابہ کرام نے یہی سمجھا کہ ان کو امامت صغریٰ سپرد کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ آپ ﷺ کے بعد امامت کبریٰ یعنی حکومت کی سربراہی کیلئے بھی سب سے زیادہ اہل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہماری ناگواری کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا گیا ورنہ ہم ابوبکر کو رسول اللہ ﷺ کے بعد سربراہی کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں وہ آپ ﷺ کے غار کے ساتھی ہیں، دو میں سے دوسرے ہیں ہم ان کے شرف اور عظمت سے واقف ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی زندگی میں ان کو نماز کی امامت کا حکم دیا تھا۔

(ج)۔ سربراہ حکومت کیلئے امامت نماز کا استحقاق شریعت میں اس درجہ اہمیت رکھتا ہے کہ نماز جنازہ کی امامت میں سربراہ حکومت کو مرنے والے کے ورثاء پر بھی فوقیت دی گی ہے اور یہ بات تے شدہ ہے کہ اگر نماز جنازہ میں سربارہ حکومت موجود ہو تو نماز کی امامت کا پہلا حق اس کا ہے اس کے بعد ورثاء کا۔

ان تمام احکام سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام میں حکومت کی سربراہی کے ساتھ نماز کی امامت کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ اسلام میں کسی ایسے سربارہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو کسی بھی حالت میں نماز کا اہل نہ ہو اور عورت خواہ تقویٰ اور طہارت کے کتنے بلند مقام پر فائز ہو چونکہ نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی اس لئے اس کو امامت کبریٰ یا حکومت کی سربراہی کی ذمہ داری بھی نہیں سونپی جا سکتی۔

۸۔ اسلام کے تمام احکام میں یہ بات قدر مشترک کے طور پر واضح طور سے نظر آتی ہے کہ عورت کو ایک ایسی متاع پوشیدہ قرار دیا گیا ہے جس کا بلاضرورت مجمع عام میں آنا کسی بھی حالت میں پسند نہیں کیا گیا سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے: ''عورت پوشیدہ چیز ہے چنانچہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے''۔

اس لئے عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے اور عام مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ: ''اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو''۔

اسلام کے وہ بہت سے احکام وشعائر جن کی بجا آوری گھر سے باہر نکلنے پر موقوف ہے ان سے خواتین کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے مثلاً جمعہ کی نماز کتنی فضیلت کی چیز ہے اور مردوں کو اس میں شامل ہونے کی کس قدر تاکید قرآن وحدیث میں آئی ہے لیکن ساتھ ہی آنحضرت ﷺ نے یہ فرمادیا ہے کہ: ''جمعہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو جماعت کے ساتھ انجام دینا ہر مسلمان پر واجب ہے، سوائے چار آدمیوں کے ایک غلام جو کسی کے زیر ملکیت ہو، دوسرے عورت، تیسرے بچہ، چوتھے بیمار کے''

اس حدیث میں جمعہ جیسے اسلامی شعار سے عورت کو مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔اس طرح عام حالات میں ہر مسلمان کا یہ حق بتایا گیا ہے کہ اس کے انتقال کے موقع پر دوسرے مسلمان اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائیں۔لیکن خواتین کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا۔حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں: ''ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا
اسی طرح عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا اور تاکید کی گئی کہ وہ کسی محرم کے بغیر سفر نہ کرے''

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے!
جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کیلئے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن کی مسافت کا یا اس سے زائد کا کوئی سفر کرے الا یہ کے اس کا باپ یا بھائی یا شوہر یا بیٹا یا کوئی اور محرم اس کے ساتھ ہو''

یہاں تک کہ حج جیسا مقدس فریضہ جو اسلام کے چار ارکان میں سے ایک ہے اس کی ادائیگی کیلئے بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے اور عورت کا تنہا سفر حج پر جانا کسی کے نزدیک جائز نہیں ایسی صورت میں اس پر حج کی ادائیگی ساقط ہوجاتی ہے مرتے وقت تک ایسا محرم نہ ملے تو حج نہ کرے، البتہ حج بدل کی وصیت کر جائے۔

جہاد اسلام کے ارکان میں سے کتنا اہم رکن ہے؟ اور اس کے فضائل سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں لیکن چونکہ یہ گھر سے باہر کا کام ہے اس لئے جہاد کا فریضہ بھی خواتین سے ساقط کردیا گیا ہے۔آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بعض احادیث میں مروی ہے۔
''عورتوں پر نہ جہاد فرض ہے، نہ جمعہ، نہ جنازہ کے پیچھے جانا''
یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ نے جہاد کے شوق کی وجہ سے آنحضرت ﷺ پر یہ سوال فرمایا کہ مرد جہاد کرتے ہیں عورتیں جہاد نہیں کرتیں؟ اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ: ''اور ان چیزوں کی تمنا نہ کرو جن میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر

فضیلت دی ہے‘‘

یہ واضح رہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بعض خواتین جہاد میں زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کیلئے ساتھ گئی ہیں لیکن کہنا یہ ہے کہ اول تو ان پر جہاد باقاعدہ فرض نہیں کیا گیا دوسرے ان کو باقاعدہ لڑائی میں شامل نہیں کیا گیا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ عورتوں کو جہاد میں لے جاتے اور وہ زخمیوں کا علاج کرتیں اور انہیں مال غنیمت میں سے کچھ بطور انعام دیا جاتا لیکن آپ ﷺ نے ان کیلئے مال غنیمت کا باقاعدہ حصہ نہیں لگایا۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے زمانے میں اگرچہ خواتین کو رات کے وقت مسجد نبوی میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی لیکن اس اجازت کے ساتھ ہی یہ فرمایا تھا کہ: اوران کے گھر ان کیلئے بہتر ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عورتوں کیلئے گھر میں تنہا نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے جبکہ مردوں کیلئے سخت عذر کے بغیر مسجد کے جماعت ترک کرنا جائز نہیں عورتوں کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ عورت کا کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا بیرونی کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ:

الف: عورت پر جمعہ واجب نہیں

ب: عورت کیلئے بغیر محرم کے سفر جائز نہیں۔

ج: عورت پر تنہا ہونے کی صورت میں حج کی ادائیگی فرض نہیں مرتے دم تک محرم نہ ملے تو حج کی وصیت کرے۔

د: عورت پر جہاد فرض نہیں۔

ہ: عورت کے ذمے جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں

و: عورت کا گھر میں تنہا نماز پڑھنا باہر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس دین نے عورت کے تقدس اور اس کی حرمت کی حفاظت کیلئے جگہ جگہ اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس کیلئے دین کے اہم ترین ارکان اور شعائر کو بھی اس کے حق میں ساقط کر دیا ہے اس کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ملک وقوم کی اہم ترین ذمہ داری عورت کو سونپ کر اسے نہ صرف پورے ملک بلکہ پوری دنیا کے سامنے لا کھڑا کرے گا اور اسے وہ تمام کام اجتماعی طور

پرسونپ دے جن کی ذمہ داری اس پر انفرادی طور سے بھی عائد نہیں ہوتی۔

نبی کریم سرور دوعالم ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر خلافت راشدہ بلکہ خلافت راشدہ کے بعد بھی صدیوں تک خلیفہ اور سربراہ حکومت کا انتخاب امت کا اہم ترین سیاسی مسئلہ بنا رہا ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت ہر موقع پر بہت سے تجویزیں سامنے آئیں۔اس دورے میں بے شمار ایسی خواتین موجود تھیں جو اپنے علم وفضل تقدس وتقوی اور عقل وخرد کے لحاظ سے ممتاز مقام کی حامل تھیں لیکن نہ صرف یہ کہ کبھی کسی خاتون کو سربراہ حکومت نہیں بنایا گیا بلکہ کوئی ادنی درجے کی تجویز بھی ایسی سامنے نہیں آئی کہ فلاں خاتون کو سربراہ مقرر کر دیا جائے یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس سلسلے میں قرآن وسنت کے احکام اس درجہ واضح تھے کہ کبھی کسی مسلمان کے دل میں عورت کو سربراہ بنانے کا کوئی خیال تک نہیں آیا اور آ بھی کیسے سکتا تھا

جبکہ اسلام میں کسی ایسے مرد کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا جو کسی بھی حالت میں نماز کی امامت نہ کر سکے، جس کا جماعت سے نماز پڑھنا پسندیدہ نہ ہو۔ جو اگر کبھی جماعت میں شامل ہو تو اسے تمام مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا پڑے۔جس پر ہر مہینے چند روز ایسے گزرتے ہوں جب اس کیلئے مسجد میں داخل بھی جائز نہیں۔جس پر جمعہ فرض نہ ہو۔جس کیلئے کسی جنازے کے ساتھ جانا جائز نہ ہو۔ جو بغیر محرم کے سفر نہ کر سکے۔ جو تنہا حج نہ کر سکے جس پر جہاد فرض نہ ہو جس کی گواہی آدھی گواہی سمجھی جائے۔جس کے لئے بلاضرورت گھر سے نکلنا جائز نہ وہ۔جس کا نان ونفقہ شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد شوہر پر واجب ہو جو کسی کے نکاح میں ولی نہ بن سکے۔اور حد تو یہ ہے کہ جسے اپنے گھر میں بھی سربراہی کا منصب حاصل نہ ہو۔

اجماع امت

قرآن سنت کے مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے چودہ صدیوں کے ہر دور میں امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اسلام میں سربراہ حکومت کی ذمہ داری کسی عورت کو نہیں سونپی جاسکتی اور اجماع امت شریعت کی ایک مستقل دلیل ہے۔
اجماع کے ثبوت کیلئے اس تحریر کے شروع میں ہم علامہ ابن حزم کا اقتباس پیش کر چکے ہیں انہوں نے جو کتاب صرف اجماعی مسائل کی تحقیق کے لئے لکھی ہے اس میں فرمایا ہے کہ: تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔

شیخ الاسلام تیمیہؒ جیسے باخبر عالم نے نقد مراتب الاجماع کے نام سے علامہ ابن حزمؒ کی مذکورہ کتاب پر ایک تنقید لکھی ہے اور بعض ان

مسائل کا ذکر فرمایا ہے جنہیں علامہ ابن حزمؒ نے اجماعی قرار دیا ہے لیکن علامہ ابن تیمیہؒ کی تحقیق کے مطابق وہ اجماعی نہیں ہیں، بلکہ ان میں کسی نہ کسی کا اختلاف موجود ہے اس کتاب میں بھی انہوں نے عورت کی سربراہی کے مسئلے میں علامہ ابن حزمؒ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ان حضرات کے علاوہ جن علماء وفقہاء اور اسلامی سیاست کے ماہرین نے اسلام کے سیاسی نظام پر کتابیں لکھی ہیں ان میں سے ہر ایک نے اس مسئلے کو ایک متفقہ مسئلے کے طور پر ذکر کیا ہے۔ علامہ ماوردیؒ کی کتاب اسلامی سیاست کا اہم ترین ماخذ سمجھی جاتی ہے اس میں انہوں نے حکومت کی سربراہی تو کجا عورت کو وزارت کی ذمہ داری سونپنا بھی ناجائز قرار دیا ہے بلکہ انہوں نے وزارت کی دو قسمیں کی ہیں ایک وزارت تفویض جس میں پالیسی کا تعین بھی وزیر کا کام ہوتا ہے اور دوسرے وزارت تنفیذ جو پالیسی کا تعین نہیں کرتی بلکہ طے شدہ پالیسی کو نافذ کرتی ہے انہوں نے بتایا ہے کہ وزارت تنفیذ میں اہلیت کی شرائط وزارت تفویض کے مقابلے میں کم ہیں اس کے باوجود وہ عورت کو وزارت تنفیذ کی ذمہ داری سونپنا بھی جائز قرار نہیں دیتے وہ لکھتے ہیں کہ: جہاں تک وزارت تنفیذ کا تعلق ہے وہ نسبتہ کمزور ہے اور اس کی شرائط کم ہیں لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اس کی ذمہ دار بنے اگر چہ عورت کی خبر مقبول ہے کیونکہ یہ وزارت ایسی ولایوں پر مشتمل ہے جن کو شریعت نے عورتوں سے الگ رکھا ہے

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کرے وفلاح نہیں پائے گی نیز اس لئے بھی کہ اس وزارت کیلئے جو اصابت رائے اور اولوالعزی درکار ہے عورتوں میں اس کے لحاظ سے ضعف پایا جاتا ہے نیز اس وزارت کے فرائض انجام دینے کیلئے ایسے انداز سے عام لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا ہے جو عورتوں کیلئے شرعاً ممنوع ہے۔

اسلام کے سیدی نظام پر دوسرا اہم ماخذ امام ابو یعلی حنبلیؒ ہیں انہوں نے بھی اپنی کتاب میں لفظ بہ لفظ یہی عبارت تحریر فرمائی ہے۔ امام الحرمین علامہ جوینیؒ نے اسلام کے سیاسی نظام پر بڑے معرکے کی کتابیں لکھیں ہیں وہ نظام الملک طوسیؒ جیسے نیک نام حاکم کے زمانے میں تھے اور انہی کی درخواست پر انہوں نے اسلام کے سیاسی احکام پر اپنی مجتہدانہ کتاب غیاث الامم تحریر فرمائی ہے اس میں وہ سربراہ حکومت کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اور جو لازمی صفات سربارہ کیلئے شرعاً معتبر ہیں ان میں سے اس کا مذکر ہونا آزاد ہونا اور عاقل و بالغ ہونا بھی ہے اور ان شرائط کو ثابت کرنے کیلئے تفصیلی دلائل پیش کر کے طول دینے کی ضرورت نہیں۔ یہی امام الحرمین اپنی ایک دوسری کتاب الارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ: اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کے لئے سربراہ حکومت بننا جائز نہیں اگر چہ اس میں اختلاف ہے کہ جن امور میں اس کو گواہی جائز ہے ان میں وہ قاضی بن سکتی ہے یا نہیں۔

علامہ قلقشندیؒ ادب و انشاء اور تاریخ و سیاست کے امام سمجھے جاتے ہیں انہوں نے اسلام کے اصول سیاست پر جو کتاب لکھی ہے اس میں انہوں سربراہ حکومت کی چودہ صفات اہلیت بیان کی ہیں ان شرائط کے آغاز ہی میں وہ فرماتے ہیں: پہلی شرط مذکر ہونا ہے اور اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ سربراہ حکومت کو مردوں کے ساتھ اختلاط اور ان کے ساتھ مشوروں وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور عورت کے لئے یہ باتیں ممنوع ہیں اس کے علاوہ عورت اپنی ذات کی ولایت میں بھی کمزور ہے یہاں تک کہ وہ نکاح کی ولی نہیں بن سکتی لہذا اس کو دوسروں پر بھی ولایت نہیں دی جاسکتی۔ امام بغوی پانچویں صدی ہجری کے مشہور مفسر، محدث اور فقیہ ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس بات پر امت کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ حکومت نہیں بن سکتی کیونکہ امام کو جہاد کے معاملات انجام دینے اور مسلمانوں کے امور نمٹانے کیلئے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور عورت پوشیدہ رہنی چاہیئے اس کا مجمع عام میں ظاہر ہونا درست نہیں۔ قاضی ابوبکر ابن العربی حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ علامہ قرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عربی کا یہ اقتباس نقل کر کے اس کی تائید کی ہے اور بتایا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں: سربراہی کی چوتھی شرط مذکر ہونا ہے لہذا کسی عورت کی امامت منعقد نہیں ہوتی، خواہ وہ تمام اوصاف کمال سے متصف ہو اور اس میں استقلال کی تمام صفات پائی جاتی ہوں۔ عقائد وکلام کی تقریبا تمام کتابیں امامت و سیاست کے احکام سے بحث کرتی ہیں اور سب نے مذکر ہونے کی شرط کو ایک اجتماعی شرط کے طور پر ذکر کیا ہے۔
علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں: سربراہ حکومت کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو آزاد ہو مذکر ہو اور عادل ہو۔

فقہاء ومحدثین اور اسلامی سیاست کے علماء کے یہ چند اقتباسات محض مثال کے طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں ورنہ جس کتاب میں بھی اسلام میں سربراہی کی شرائط بیان کی گئی ہیں وہاں مذکر ہونے کو ایک اہم شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے اگر کسی نے یہ شرط ذکر نہیں کی تو اس بناء پر کہ یہ عاقل و بالغ ہونے کی شرط کی طرح اتنی مشہور و معروف شرط تھی کہ اسے باقاعدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ورنہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

عہد حاضر کے بعض محققین جنہوں نے اسلامی سیاست کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کے سربراہ

بننے کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے چند اقتباسات ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔
ڈاکٹر محمد منیر عجلانی لکھتے ہیں: ہمیں مسلمانوں میں کوئی ایسا عالم معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی خلافت کو جائز کہا ہو لہذا اس مسئلے میں مکمل اجماع ہے جس کے خلاف کوئی شاذ قول بھی موجود نہیں

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس نے اسلام کے سیاسی احکام پر بڑی تحقیق کے ساتھ مبسوط کتاب لکھی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں اگر چہ فقہاء کے درمیان قضاء کے برے میں تو اختلاف ہے کہ عورت قاضی بن سکتی ہے یا نہیں لیکن حکومت کی سربراہی کے بارے میں کوئی اختلاف مروی نہیں بلکہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی عورت کا سربراہی کے منصب پر فائز ہونا جائز
نہیں۔

ڈاکٹر ابراہیم یوسف مصطفیٰ عجو لکھتے ہیں: اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ عورت کیلئے ریاست کی سربراہی سنبھالنا جائز نہیں۔

عبداللہ بن عمر بن سلیمان الدمیجی لکھتے ہیں: سربراہ حکومت کی شرائط میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مذکر ہو اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ عہد حاضر کے مشہور مفسر قرآن علامہ محمد امین شنقیطیؒ تحریر فرماتے ہیں: امام اعظم سربراہ حکومت کی شرائط میں اس کا مذکر ہونا بھی داخل ہے اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر اس موضوع پر تاریخ اسلام کے ائمہ مفسرین فقہاء محدثین متکلمین اور اہل فکر و دانش کی تمام عبارتیں جمع کی جائیں تو یقیناً ان سے ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے لیکن یہ چند مثالیں یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اس مسئلے پر علماء اسلام کے درمیان اب تک چودہ صدیوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

حافظ ابن جریر طبریؒ کا مسلک

ہمارے زمانے میں بعض لوگوں نے مشہور مفسر قرآن حافظ ابن جریر طبریؒ کی طرف غلط طور یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ عورت کی سربراہی کے جواز کے قائل ہیں لیکن کوئی بھی شخص امام ابن جریرؒ کا کوئی اپنا اقتباس پیش نہیں کرتا ان کی تصانیف میں سے تفسیر جامع البیان تیس جلدوں میں چھپی ہوئی موجود ہے اس میں سے کہیں کوئی ایک فقرہ بھی کوئی اب تک نہیں دکھا سکا جس سے ان کا یہ موقف معلوم ہوتا ہو خود ہم نے بھی ان کی تفسیر کے ممکنہ مقامات پر دیکھا لیکن اس میں کہیں کوئی ایسی بات نہیں ملی۔

اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب تہذیب کی بھی کچھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں ان میں بھی کوئی ایسی بات نہیں مل سکی۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض

علماء نے ان کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ عورت کو قاضی بنانے کے جواز کے قائل ہیں بعض لوگوں نے اس بات کو غلط طور پر سربراہی کے جواز کے عنوان سے نقل کر دیا ہے چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی تحریر فرماتے ہیں: اور یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی کی حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں البتہ امام محمد بن جریر طبریؒ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے لیکن اس مذہب کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب ایسا ہی ہوگا

جیسے امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ عورت ان معاملات میں فیصلہ کرسکتی ہے جس میں وہ شہادت سے سکتی ہے اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علی الاطلاق قاضی بن جائے اور نہ یہ مطلب ہے کہ اس کو قاضی کے منصب پر مقرر کرنے کا پروانہ دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ فلاں عورت کو قصاص اور نکاح کے معاملات کے سوا دوسرے امور میں قاضی بنایا جارہا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی مسئلے میں ثالث بنالیا جائے یا کوئی ایک مقدمہ جزوی طور پر اس کے سپرد کر دیا جائے۔

امام ابن عربیؒ کی اس وضاحت سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں:

ا: سربراہی کا مسئلہ علیحدہ ہے اور قاضی بننے کا مسئلہ علیحدہ۔

۲: سربراہی کے مسئلے میں امام ابن جریرؒ سمیت تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔

۳: امام ابن جریر طبری سے قاضی بننے کا جواز منقول ہے لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت بھی درست نہیں۔

۴: امام ابوحنیفہؒ یا ابن جریر سے عورت کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا جو جواز منقول ہے وہ اس کو باقاعدہ قاضی بنانے سے متعلق نہیں ہے بلکہ جزوی طور سے بطور ثالث کوئی انفرادی قضیہ نمٹانے سے متعلق ہے۔

بہر کیف: اگر فقہاء کے درمیان کوئی تھوڑا بہت اختلاف ہے تو وہ عورت کے قاضی بننے کے بارے میں ہے سربراہ حکومت بننے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں چنانچہ امام الحرمین جوینیؒ لکھتے ہیں: سربراہی کیلئے مذکر ہونے کی شرط میں کوئی شک نہیں ہے اور جن علماء نے ان معاملات میں عورت کے قاضی بننے کو جائز کہا ہے جن میں عورت گواہ بن سکتی ہے وہ بھی سربراہی کے لئے عورت کی تقرری کو ناممکن قرار دیتے ہیں اس لئے کہ قضاء کے بارے میں تو یہ ممکن ہے کہ اس کو حدود اختیار کو کچھ معاملات کے ساتھ خاص کر دیا جائے لیکن حکومت کی سربراہی کو شرعی اصول کے مطابق کچھ محدود معاملات کے ساتھ خاص کرنا ممکن نہیں۔

ملکہ بلقیس کا واقعہ!

ہمارے دور میں بعض لوگ عورت کی سربراہی کا جواز ملکہ بلقیس کے اس واقعے سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جو قرآن کریم نے سورہ نمل میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعے سے عورت کے سربراہ حکومت

بننے کا جواز کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم نے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ یہ ملکہ ان غیر مسلموں کی سربراہ تھی جو سورج کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کے بارے میں جو خبر

دی وہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ تھی میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں اس سے واضح ہے کہ وہ ایک سورج پرست قوم کی ملکہ تھی اور خود بھی سورج کی پرستش کرتی تھی اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کافر قوم نے کسی عورت کو اپنا سربراہ بنایا ہوا ہو تو وہ قرآن وسنت کے واضح ارشادات کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے کیسے دلیل بن سکتی ہے؟

اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو ملکہ تسلیم کر کے اپنی حکومت اس کے حوالے کر دی ہوتی تب تو یہ بات ثابت ہوتی کہ کم از کم حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عورت سربراہ بن سکتی تھی۔ لیکن قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس کے نام جو خط بھیجا وہ قرآن کریم کے مبارک الفاظ میں یہ تھا تم میرے مقابلے میں سر نہ اٹھاؤ اور میرے پاس فرمانبردار بن کر آ جاؤ یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں فرمایا بلکہ اس کو اپنے زیر نگیں آنے کا حکم دیا، اور پھر اسی پر بس نہیں، آپ نے اس کا بھیجا ہوا تحفہ بھی قبول نہیں کیا بلکہ اسے واپس کرا دیا حالانکہ دو سربراہوں کے درمیان تحائف کا تبادلہ ایک معمول کی بات ہوتی ہے قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کا تخت بھی اٹھوا کر منگوا لیا اور اس کی ہیئت بھی بدل ڈالی۔ یہاں تک کہ جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں آئیں تو قرآن کریم کے بیان کے مطابق انہوں نے کہا کہ پروردگار میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور میں سلیمان علیہ اسلام کے ساتھ اللہ رب العالمین کے آگے جھک گئی۔

بس یہ ہے کہ وہ واقعہ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے اور بلقیس کے اسی جملے پر قصے کا اختتام ہو گیا ہے جو بھی شخص اس واقعے کو قرآن کریم میں دیکھے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، اس کو اپنا فرمانبردار بن کر حاضر ہونے کا حکم دیا اور اس کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور خود ملکہ بلقیس نے بھی حضرت سلیمان کی خدمت میں پہنچنے کے بعد اپنی فرمانبرداری کا اعلان کر دیا۔

اس واقعے میں کہیں دور دور کوئی ایسا شائبہ بھی نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو جائز قرار دیا تھا یا اسے تسلیم فرمایا تھا۔ بعض لوگ کچھ اسرئیلی روایات پیش کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کر کے انہیں واپس یمن بھیج دیا تھا لیکن یہ قطعی طور غیر مستند روایت ہے کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اس معاملے میں تاریخی روایتیں بہت متضاد ہیں بعض

میں ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کر کے انہیں اپنے پاس رکھا بعض میں ہے کہ انہیں شام بھیج دیا بعض میں ہے کہ یمن لوٹا دیا بعض میں ہے کہ ان کا نکاح ھمدان کے بادشاہ سے کر دیا

علامہ قرطبیؒ یہ تمام غیر مستند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ۔اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے نہ اس بارے میں کہ انہوں نے بلقیس سے نکاح کیا اور نہ اس بارے میں کہ کسی اور سے اس کا نکاح کرایا۔

جب ملکہ بلقیس کے اسلام کے بعد کے واقعات کسی بھی صحیح تاریخی روایت سے ثابت نہیں ہے تو صاف اور سیدھا راستہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ قرآن کریم نے جتنا واقعہ بیان فرمایا ہے صرف اتنے واقعے پر ہی ایمان رکھا جائے اور ظاہر ہے کہ اس واقعے میں ملکہ بلقیس کی سلطنت کے بقاء کا نہیں بلکہ فرمانبردار ہو جانے کا ذکر ہے اسے اسلام کے بعد سربراہ بنانے کا ذکر نہیں ہے لہذا اس واقعے سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا کوئی ادنی جواز موجود نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور جنگ جمل !

بعض لوگ عورت کی سربراہی پر جنگ جمل کے واقعے سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اس جنگ کی قیادت کی تھی ۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کبھی خلافت یا حکومت کی سربراہی کا دعوی نہیں کیا نہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کے حاشیے خیال میں یہ بات تھی کہ ان کو خلیفہ بنایا جائے انکا مطالبہ صرف یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا قرآن کریم کے احکام کے مطابق ضروری ہے

کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے وقت تمام ازواج مطہرات حج کیلئے مکہ مکرمہ آئی ہوئیں تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اور دوسری ازواج مطہرات نے شروع میں یہ چاہا کہ وہ واپس مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہا کو قصاص لینے پر آمادہ کریں ۔لیکن بہت سے لوگوں کی یہ رائے تھی کہ پہلے بصرہ جا کر وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کی جائے ۔دوسری تمام ازواج مطہرات نے تو بصرہ جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ کے سوا کہیں اور نہیں جائیں گے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا ان حضرات کی رائے سے متاثر ہو گئیں اور بصرہ روانہ ہو گئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کا مقصد جنگ کرنا بھی نہیں تھا بلکہ جب آپ بصرہ جا رہی تھیں تو راستہ میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا رات

کے وقت وہاں کتے بھونکنے لگے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون سے جگہ ہے لوگوں نے بتایا کہ یہ مقام حواب ہے حواب کا نام سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونک اٹھیں انہیں آنخضرت ﷺ کا ایک ارشاد یاد آ گیا آنخضرت ﷺ نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حواب کے کتے بھونکے گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حواب کا نام سن کر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کے مجھے واپس لوٹا دو اور ایک دن ایک رات وہی ٹھہری رہیں لیکن بعض حضرات نے کہا کہ آپ چلی چلیں آپ کی وجہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے گی اور بعض روایات میں ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے تردیب بھی کی کہ یہ جگہ حواب نہیں ہے اور اس طرح جو مقدر میں تھا وہ پیش آیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفر دوبارہ شروع فرما دیا بصرہ پہنچ کر بھی جب آپ سے آنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا بیٹے! میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے آئی ہوں۔

ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد کوئی سیاست تھی نہ حکومت نہ وہ جنگ کرنا چاہتی تھیں بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلے میں مسلمان کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیش نظر تھے۔اس کے باوجود چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواتین کے مسلمہ دائرہ کار سے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا اس لئے صحابہ کرام اور خود دوسری امہات المومنین کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا اور متعدد صحابہ نے آپ کو خطوط لکھے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے
اس موقع پر آپ کو بڑا پر اثر انگیر خط لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام سلمہ کی طرف سے ام المونین عائشہ کے نام میں آپ سے اس اللہ کی حمد کرتی ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔امابعد! آپ رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کے درمیان ایک دروازہ ہیں آپ وہ پردہ ہیں جو حضرت محمد ﷺ کی حرمت پر ڈالا گیا ہے قرآن نے آپ کے دامن کو سمیٹا ہے، آپ اسے پھیلایئے نہیں اور آپ کی حرمت کی حفاظت کی ہے اگر رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہوتا کہ خواتین پر جہاد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے تو وہ آپ کو اس کی وصیت کرتے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ آنخضرت ﷺ نے آپ کو شہروں میں آگے بڑھنے سے روکا تھا؟ اس لئے کہ اگر دین کا ستون متزلزل ہونے لگے تو عورتوں سے کھڑا نہیں ہوسکتا؟ اور اگر اس میں شگاف پڑھنے لگے تو عورتوں سے اس کا بھراؤ ممکن نہیں، عورتوں کا جہاد یہ ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں دامنوں کو سمیٹیں اور چھوٹے

قدموں سے چلیں آپ جن صحراؤں میں ایک گھاٹ سے دوسری گھاٹ تک اپنی اونٹنی دوڑا رہی ہیں

اگر وہاں رسول اکرم ﷺ آپ کے سامنے آجائیں تو آپ کے پاس ان سے کہنے کو کیا ہوگا ؟ کل آپ کو رسول ﷺ کے پاس جانا ہے ۔اور میں قسم کھاتی ہوں کے اگر مجھ سے کہا جائے کہ ام سلمہ ! جنت میں چلی جاؤ تب بھی مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ میں رسول اللہ ﷺ سے اس حالت میں ملوں کے جو پردہ آپ ﷺ نے مجھ پر ڈالا تھا اسے میں چاک کرچکی ہوں لہذا آپ اس کو اپنا پردہ بنایئے اپنے گھر کی چاردیواری کو اپنا قلعہ سمجھئے کیونکہ جب تک آپ اپنے گھر میں رہیں گی اس امت کی سب سے بڑی خیر خواہ ہوں گی ،

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس مکتوب کے ایک ایک لفظ سے دین کا وہ پاکیزہ مزاج ٹپک رہا ہے کہ جس نے عورت کو حرمتوں تقدیس کا عالہ ترین مقام عطا فرمایا ہے ،اور جس کے آگے تمام سیاسی مناصب اور دینوی شان وشوکت ہیچ ہے ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی کسی بات کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کی نصیحت کو اصولی طور پر قبول فرمایا اور اس کی یہ کہہ کر قدر دانی فرمائی کہ میں آپ کی نصیحت کو خوب قبول کرتی ہوں اور آپ کے حق نصیحت سے اچھی طرح باخبر ہوں البتہ اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ موقف بہت اچھا موقف ہے جس کے ذریعے میں مسلمانوں کے دو جھگڑتے ہوئے گروہوں کے درمیان حائل ہوسکوں ۔

جس سے صاف واضح ہے کہ نہ وہ حکومت کی سربراہی چاہتی ہیں نہ جہاد ان کے پیش نظر ہے نہ کوئی سیادی قیادت مقصود ہے بلکہ پیش نظر دوفریقوں کے درمیان صلح کرانا ہے اور اس میں بھی وہ فرماتی ہیں اب اگر میں بیٹھ گئی تب بھی کوئی حرج اور اگر میں آگے بڑھی تو ایک ایسے کام کیلئے آگے بڑھوں گی جس کو مزید انجام دینے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہ رہے
اتنی احتیاط کے باوجود وہ زمانہ فتنے کا تھا دشمنوں کی سازشیں سرگرمی سے کام کررہی تھیں جن کا واحد مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو باہم لڑایا جائے چنانچہ جو کچھ مقدر میں تھا پیش آکر رہا جنگ جمل ہوئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اس مقام پر پہنچ چکی تھیں جہاں سے واپس نہ آسکیں ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام نے انہیں گھر سے باہر کی اس محدود ذمہ داری اٹھانے سے روکا ۔ چنانچہ حضرت بن صوحان نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کو ایک خط میں لکھا سلام کے بعد آپ کو ایک کا حکم دیا گیا ہے اور

ہمیں دوسرے کام کا آپ کو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے آپ نے اپنے کام کو چھوڑ دیا اور ہمیں اس کام سے روک رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بعد میں اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہیں ہیں چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اپنے بصرہ کے سفر اور جنگ جمل میں حاضری پر کلی طور سے نادم ہوئیں ان کا گمان یہ نہیں تھا کہ بات وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک پہنچی۔

امام ابن عبدالبرؒ نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ تم نے مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ایک صاحب یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ آپ کی رائے پر غالب آ گئے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے جواب دیا بخداء اگر تم مجھے روک دیتے تو میں نہ نکلتی۔
پھر جنگ جمل اور اس کے سفر پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کی ندامت کا عالم یہ تھا کہ جب تلاوت قران کریم کے دوران وہ سورہ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالی نے خواتین کو یہ حکم دیا ہیکہ ''اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسؤوں سے تر ہو جاتی تھی''۔

اور ندامت کی انتہاء یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکار دو عالم کہ کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن جنگ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے گھر میں رسول اللہ کہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں انہیں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کہ کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے اب مجھے آپ کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا چنانچہ انہیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

حافظ ذھبیؒ ان کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بدعت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعلیٰ عنہا کی مراد جنگ جمل میں ان کا جانا تھا اس لئے کہ وہ اپنے اس عمل پر کلی طور سے نادم تھیں اور اس سے توبہ کر چکی تھیں باوجودیکہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کا مقصد نیک تھا۔

ان تمام واقعات سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے نہ کبھی حکومت کی سربراہی کی خواہش یا دعوی کیا نہ کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کو سربراہ بنایا جائے، نہ ان کا مقصد کسی باقاعدہ جنگ کی قیادت تھی، وہ صرف ایک قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کیلئے نکلیں تھیں، لیکن دشمنوں کی سازش نے ان کے اس سفر کو بالآخر ایک جنگ کی شکل دے دی لیکن چونکہ ان کا مشن فی الجملہ ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے بھی اس کو پسند نہیں کیا اور وہ خود بھی انتہا نادم ہوئیں اور یہاں تک کہ اس ندامت کی بناء پر روضہ رسول اللہ ﷺ میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

اب خود انصاف سے فیصلہ کرلیا جائے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنے جس اقدام کو بالاخر خود غلط سمجھا اس پر روتی رہیں اور اس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنخضرت ﷺ کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں اس عمل سے کیسے استدلال کیا جاسکتا ہے؟ اور استدلال بھی سربراہی کے جواز پر جس کا تصور بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حاشیہ خیال میں نہیں گزرا۔

حضرت تھانویؒ کی ایک تحریر!

ہمارے زمانے میں بعض حضرات نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی ایک تحریر بھی عورت کی سربراہی کے جواز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو امداد الفتاوی میں شائع ہوئی ہے، جس میں حضرت تھانویؒ نے حدیث کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ جمہوری حکومت اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے۔ لیکن حضرت تھانویؒ کی اس تحریر کی حقیقت سمجھنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ بھی پوری امت کے علماء کی طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو اسلامی حکومت کی سربراہ بنانا جائز نہیں ہے چنانچہ امداد الفتاوی کی اسی تحریر میں حضرتؒ نے خود تحریر فرمایا کہ حضرت فقہاء نے امامت کبری (حکومت کی سربراہی) میں ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرط صحت، اور قضاء میں گو شرط صحت نہیں مگر شرط صون عن الاثم فرمایا ہے۔

نیز حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کو مزید وضاحت کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، پس بلقیس کے قصے سے کوئی شبہ نہ کرے اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی ﷺ نے اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں

نیز حضرت تھانویؒ نے احکام القرآن کا جو حصہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے لکھوایا ہے اس میں بھی ملکہ بلقیس کے واقعے کے تحت یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور خود حضرت تھانویؒ کے حوالے سے اس استدلال کو رد کیا ہے کہ قرآن کریم نے بلقیس کا واقعہ بیان کر کے اس پر کوئی نکیر نہیں کی۔
حضرت تھانویؒ کی ان عبارتوں سے واضح ہے کہ وہ علماء امت کی طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو سربراہ حکومت بنانا شرعاً جائز نہیں ہے البتہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ اس شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی عورت کو سربراہ بنادیا گیا ہو تو کیا ایسی جگہ کے لوگوں پر وہ وعید صادق آئے گی جو حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ ایسی قوم فلاح نہیں پا سکتی؟

اس کے جواب میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر حکومت عام ہو اور تام ہو، جیسا کہ شخصی سلطنتوں میں ہوتا ہے (یا جیسا کہ خلافت اسلامی میں ہوتا ہے اور اس کا سربراہ عورت کو بنادیا جائے گا)۔۔۔۔۔تو بے شک اس پر حدیث کی یہ وعید صادق آئے گی لیکن اگر حکومت جمہوری انداز کی ہو تو عدم فلاح ضروری نہیں، جس کی وجہ حضرت تھانویؒ نے یہ بیان فرمائی کہ ''راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے اور عورت اہل ہے مشورے کی''

اس سے صاف واضح ہے کہ عورت کی ''حقیقی حکومت'' کو حضرت تھانویؒ نہ صرف یہ کہ ناجائز بلکہ موجب عدم فلاح بھی قرار دے رہے ہیں، لہذا اصل مسئلے کی حد تک ان کا موقف وہی ہے کہ عورت سربراہ حکومت نہیں ہوسکتی۔ البتہ جمہوری حکومت کے بارے میں انہوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ وہ حقیقتاً حکومت ہے ہی نہیں بلکہ محض مشورہ ہے۔ لہذا حضرت تھانویؒ کی تحریر کا سارا دارومدار اس بات پر ٹھہرا کہ جمہوری حکومت واقعتاً حکومت ہے یا محض مشورہ ہے؟ اور یہ سوال شرعی حکم کا نہیں بلکہ واقعے کا ہے، حضرت تھانویؒ نے جمہوری حکومت کے سربراہ کے بارے میں یہ سمجھا کہ حقیقتاً وہ سربراہ نہیں ہوتا بلکہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں اس کی بات محض ایک مشورے کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ اس تحریر میں وہ فرماتے ہیں: کسی عورت کی سلطنت جمہور ہو کے اس میں والی صوری درحقیت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے اور والی حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے۔

اس فقرے سے ایک بار پھر واضح ہو گیا کہ وہ عورت کی سربراہی کے ناجائز اور موجب عدم فلاح ہونے کو تسلیم فرماتے ہیں، اور اس مسئلے سے انہیں کوئی اختلاف نہیں لیکن جمہوری حکومت کے سربراہ کو وہ اپنی معلومات کے مطابق حقیقی سربراہ نہیں سمجھ رہے، یہ اختلاف اصل مسئلے میں نہیں بلکہ جمہوری حکومت کی حقیقت میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام میں وزیراعظم اگرچہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں محض ایک رکن مشورہ ہےلیکن اس کی دو حیثیتیں اور ہیں جن کی موجودگی میں اس کو محض ایک رکن مشورہ قرار دینا ممکن نہیں ہے پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ملک کی انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے، اور اپنی اس حیثیت میں وہ آئین وقانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مکمل طور پر خودمختار ہے یہاں تک اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پوری کابینہ کے مشورے کو رد کر کے وہ کام کرے جو اس کی رائے کے مطابق ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ریاست کے تین کام الگ الگ کر دیئے گئے ہیں، ایک کام قانون سازی ہے جو مقنّنہ یعنی پارلیمنٹ کے سپرد ہے دوسرا کام ملک کا انتظام چلانا ہے جو انتظامیہ کے سپرد ہے اور تیسرا کام تنازعت کا فیصلہ ہے جو عدلیہ کے سپرد ہے، اب ریاست کے ان تینوں اداروں، مقنّنہ، انتظامیہ اور عدلیہ میں سے لفظ ''حکومت کا اطلاق'' انتظامیہ ہی پر ہوتا ہے مقنّنہ اور عدلیہ ریاست کے ذیلی ادارے ضرور ہیں لیکن حکومت کا حصہ نہیں ہیں حکومت صرف انتظامیہ ہی کو کہا جاتا ہے اور وزیراعظم اس انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے اسے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے کاروبار حکومت چلانے کا مکمل اختیار حاصل ہے،

نہ وہ ہر چیز کو مقنّنہ کے مشورے کے لئے پیش کرتا ہے، نہ کرسکتا ہے، نہ اس کا پابند ہے، اہم انتظامی فیصلے وہ کابینہ میں رکھتا ہے لیکن کابینہ کی رائے کا پابند نہیں ہے، بلکہ کابینہ کے اجلاس میں اس کا فیصلہ حتمی حیثیت رکھتا ہے ظاہر ہے کہ ایسے با اختیار شخص کو محض رکن مشورہ نہیں کہا جاسکتا۔

مقنّنہ کی حد تک بے شک وہ ایک رکن مشورہ ہے لیکن پارلیمانی پارٹیوں کے مروجہ نظام میں اس کی ایک اور حیثیت ہے جس نے اسے مقنّنہ میں بھی محض رکن مشورہ نہیں رہنے دیا، اور وہ حیثیت یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں برسر اقتدار اکثریتی
پارٹی کا لیڈر اور قائد ایوان ہوتا ہے لہذا پارلیمنٹ نے اس کی رائے محض ایک شخص رائے نہیں ہوتی بلکہ بسا وقات ایوان کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ بالخصوص اگر وہ اپنی جماعت کے ارکان پارلیمنٹ کیلئے جماعت کی طرف سے کوئی ہدایت جاری کر دے تو اس کی جماعت کے تمام ارکان اسی ہدایت کے مطابق اسمبلی میں ووٹ دینے کے پابند ہیں پارلیمانی اصطلاح میں اس ہدایت کو جماعتی کوڑا کہا جاتا ہے یعنی اس کوڑے کو حرکت میں لانے کے بعد تمام ارکان جماعت پارلیمنٹ میں وہی رائے دینے پر مجبور ہیں جس کیلئے وہ کوڑا حرکت میں لایا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جو شخص یہ کوڑہ حرکت میں لاتا ہو اس کو محض ایک رکن مشورہ نہیں کہا جاسکتا اس لحاظ سے مقنّنہ میں بھی وزیراعظم کی حیثیت

محض ایک رکن مشورہ کے نہیں بلکہ قاعد جماعت اور قاعد ایوان کی ہوتی ہے اور عملاً وہ دوسروں کے مشورے پر کم اور دوسرے اس کے مشورے پر زیادہ چلتے ہیں۔ اگر چہ نظریاتی اعتبار سے صدر مملکت ریاست کا سربراہ ہوتا ہے اور وزیر اعظم انتظامیہ کا لیکن پارلیمانی نظام میں صدر مملکت کی حیثیت زیادہ تر نمائشی ہوتی ہے اور اصل اختیارات وزیر اعظم ہی کے پاس ہوتے ہیں اس لئے دنیا بھر کے نزدیک وزیر اعظم ہی کو اصل سربراہ سمجھا جاتا ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے حضرت تھانویؒ قدس سرہ عورت کی سربراہی کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے جس کیلئے ان کی صریح تحریریں موجود ہیں، البتہ سوال یہ تھا کہ جمہوری حکومت کی سربراہی حقیقی سربراہی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا تعلق شریعت کی تحقیق سے نہیں بلکہ مروجہ جمہوری نظام کی تحقیق سے ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت تھانویؒ کا اصل موضوع شریعت کی تحقیق تھا۔ عہد حاضر کے سیاسی نظاموں کی تحقیق حضرت تھانوی قدس سرہ کا موضوع نہیں تھا۔

ظاہر ہے کہ پارلیمانی نظام کے وزیر اعظم کے سلسلے میں جو حقائق اوپر بیان کئے گئے ہیں اگر وہ حضرت تھانویؒ قدس سرہ کے سامنے لائے جاتے تو وہ اپنی اس رائے پر ضرور نظر ثانی فرماتے کہ وہ محض ایک رکن مشورہ ہے۔

تاریخ کی بعض مثالیں!

بعض لوگ عورت کی سربراہی کے جواز میں بعض تاریخ کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ فلاں فلاں مواقع پر فلاں عورت برسر اقتدار رہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ تاریخ میں جائز و ناجائز ہر قسم کے واقعات ہوئے ہیں یہ واقعات دین میں کوئی سند نہیں ہیں سند قرآن وسنت ہیں لہذا اگر کہیں اکا دکا کچھ واقعات عورت کی سربراہی کے پیش آئے ہیں تو ان کی بنیاد پر قرآن وسنت کے واضح احکام اور دلائل کو نہیں چھوڑا جا سکتا پھر ان اکا دکا واقعات کی اکثریت ہے جہاں مسلمانوں نے ایسی حکومت کو گوارا نہیں کیا یہاں تک کہ وہ حکومت ختم ہوگئی اور ان حکومتوں کے دور میں بھی کہیں نہیں ملتا کہ کسی فقیہ یا عالم نے عورت کی سربراہی کے جواز کا فتوی دیا ہو۔

اس ضمن میں بعض لوگ مس فاطمہ جناح کے صدارتی امیدوار بننے کو سند میں پیش کرتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ملک کا کوئی عالم ہمارے علم میں نہیں ہے جس نے اس اقدام کی حمایت کرتے ہوئے یہ کہا ہو کہ عورت حکومت کی سربراہ ہو سکتی ہے لہذا اس واقعے کو دلیل میں پیش کرنا خلط مبحث کے سوا کچھ نہیں۔

تمام مکاتب فکر کے پاکستانی علماء کا فیصلہ!

بہر کیف !عورت کی سربراہی کا ناجائز ہونا ایک ایسا مسلمہ مسئلہ ہے جو قرآن وسنت کے واضح ارشادات اوراجماع امت پر مبنی ہے ،امت کی کسی ایک فقیہ یا عالم نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا اسی لئے ۱۹۵۱ میں جب پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء نے کراچی میں آئینی مسائل پر اجتماع منعقد کیا دیوبندی ، بریلوی ،اہل حدیث ، جماعت اسلامی اور شیعہ مدرسہ ہائے خیال کے چوٹی کے ۳۳ حضرات موجود تھے اور وہ مشہور متفقہ بائیس نکات طے کئے جو ان کے نزدیک پاکستان کے آئین کیلئے بنیادی اہمیت رکھتے تھے تو ان میں بارھواں نقطہ یہ تھا: رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین ،صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

ان بائیس نکات پر پاکستان کے ہر مکتب فکر کے تمام علماء متفق ہیں اور آج تک ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔لہذا کسی اسلامی حکومت میں عورت کو سربراہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے،اور اگر کہیں ایسا ہو جائے تو مسلمانوں کیلئے ضروری ہے
کہ وہ جلد از جلد سربراہی کی تبدیلی کیلئے ممکنہ کوششوں کو بروئے کار لائیں۔